افسانہ

ریاض عاقب کوہلر

اوطاق

''بابا سائیں!...... میری بیوی وڈیرے کی قدم بوسی کے لیے نہیں جائے گی، اگر اس بات پر وہ خفا ہوتا ہے تو ہوتا رہے۔ مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔'' اس نے اپنے گوٹھ کی دیرینہ رسم کی مخالفت کی۔

''پتر!...... پتا ہے کہ وڈیرے سائیں اس بات کا کتنا برا مناتا ہے۔'' والد نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''اور تم کوئی پہلے فرد نہیں ہو جو اپنی دلہن کے ساتھ وہاں جا رہے ہو، سارے گوٹھ کے نئے شادی شدہ جوڑے وڈیرے سائیں کی قدم بوسی کے لیے جاتے ہیں۔''

''بابا سائیں!...... کہہ جو دیا زلیخا کو میں کبھی بھی اس پرہوس متکبر بڈھے کے پاس لے کر نہیں جاؤں گا۔ وہ میری عزت ہے اور میں یہ کبھی بھی یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ کوئی غیر مرد اسے دیکھے۔ جبکہ وہ پیر فرتوت اپنی بیٹی کی عمر کی لڑکیوں کو تنہا اپنے حجرے میں بلاتا ہے۔ یہ کس قانون اور کس شریعت میں ہے کہ نئی نویلی دلہن کو گاؤں کے وڈیرے کی قدم بوسی کے لیے بھیجا جائے اور وہ بھی اکیلے کمرے میں۔''

''پتر تم نے وہ کہاوت نہیں سنی کہ دریا میں رہ کر مگر مچھ سے بیر نہیں رکھا جاتا۔'' بوڑھا الٰہی بخش اپنے باغی بیٹے کی ناں کو ہاں میں بدلنے کے لیے اپنی سی کوشش کر رہا تھا، مگر فرسودہ رسموں سے بغاوت کرنے والا اس کا پڑھا

لکھا بیٹا کسی صورت اس کی بات ماننے کے لیے تیار نہیں تھا۔

"باباسائیں!......بس چند دنوں کی بات ہے میں نے اپنے دوست ثنااللہ کو بتا دیا ہے۔ جونہی شہر میں کوئی مناسب ٹھکانہ ملا ہم وہاں منتقل ہو جائیں گے۔"

"بہ ہر حال میرا کام تھا تمھیں سمجھانا۔" اس کا باپ گویا ہار مانتے ہوئے بولا۔ "آگے تمہاری مرضی ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں باباسائیں!......کچھ نہیں ہوتا، اتنی بھی اندھیر نگری نہیں ہے۔" عبدالقادر باپ کو تسلی دیتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کی حسین وجمیل بیوی زلیخا چارپائی پر بیٹھی اپنے شوہر اور سسر کی گفتگو کو بڑے غور سے سن رہی تھی۔ وہ خود شہر کی باسی اور دیہات کے رسم ورواج سے بالکل ناواقف تھی۔ اپنے سسر جو رشتے میں اس کا پھوپھا لگتا تھا کی باتیں اسے بہت بری لگ رہی تھی۔ اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ اس کا باپ کس وجہ سے اس رشتے سے ناخوش تھا۔ یہ تو عبدالقادر کی خوش قسمتی تھی کہ وہ اس کی محبت میں اس رشتے کے لیے ڈٹ گئی اور اس کے باپ کو عبدالقادر کا رشتہ قبول کرنا پڑا۔ البتہ وہ عبدالقادر سے یہ عہد لینا نہیں بھولا تھا کہ وہ جلد ہی گوٹھ چھوڑ کر شہر منتقل ہو جائیں گے۔ عبدالقادر خود بھی گوٹھ کی زندگی سے تنگ آیا ہوا تھا۔ اپنے ماموں کے نقش قدم پر چلتے ہو اس نے بھی گوٹھ چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ پہلے تو اس نے یہی ارادہ کیا ہوا تھا کہ شہر میں کوئی مناسب ٹھکانہ ڈھونڈنے کے بعد ہی شادی کرے گا، مگر جب زلیخا کی زبانی اسے پتا چلا کہ، والد زلیخا کی شادی کسی اور جگہ کرنے کے لیے پر تول رہا ہے تو شہر آباد ہونے سے پہلے اس نے اپنا گھر آباد کر ضروری سمجھا۔

گو زلیخا اور اس کے لیے ماموں کے دو کمرے کے چھوٹے سے مکان میں چند دنوں کے لیے جگہ نکل آتی، مگر اس طرح اسے اپنے بوڑھے ماں باپ کو اکیلا چھوڑنا پڑتا اور ایسا کرنا اسے مناسب نہیں لگا تھا۔ یوں بھی کچھ دنوں کی بات تھی گوٹھ والے گھر کا سودا کر کے اس نے بیعانہ بھی لے لیا تھا صرف شہر میں کوئی مناسب ٹھکانہ ملنے کی دیر تھی۔ اس کے بعد وہ وہاں منتقل ہو جاتے۔

عبدالقادر کے کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ کھڑی ہو گئی۔ "میں نے وڈیرے سے ملنے کے لیے نہیں جانا۔" شوہر کے پہلو سے چمٹتے ہوئے وہ لاڈ سے بولی۔

"تو میں تمھیں کب بھیج رہا ہوں۔" عبدالقادر اسے ساتھ لیے چارپائی پر بیٹھ گیا۔

"پھوپھا جان جو ضد کر رہے ہیں۔" اس نے پریشانی ظاہر کی۔

"تو کیا ہوا۔" وہ ٹھوس لہجے میں بولا۔ "مرضی تو میری چلے گی نا اور میں تمھیں کبھی کسی غیر مرد کے سامنے بے پردہ ہونے کی اجازت نہیں دوں گا۔ چاہے وہ وڈیرا ہو یا کوئی دوسرا تیسرا۔"

اس کی بات پر زلیخا نے مطمئن انداز میں سر ہلا دیا۔ یوں بھی وہ جانتی تھی کہ عبدالقادر اس سے کتنی محبت کرتا ہے۔

☆......☆......☆

وڈیرا اللہ داد بڑے کر و فر سے تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ دو خدمت گار اس کے پاؤں دبانے میں مصروف تھے۔ سامنے چند آدمی فرش پر بچھی دری پر بڑے مؤدبانہ انداز میں بیٹھے تھے۔

"سنا بھئی رجو!...... کیا نئی تازی ہے۔" وڈیرے نے دری پر بیٹھے ہوئے افراد میں سے ایک کا نام لے کر مخاطب ہوا۔

"سائیں!...... کوئی خاص تو نہیں ہے۔" رمضان عرف رجو نے مؤدبانہ لہجے میں جواب دیا۔

"سنا ہے الٰہی بخش کے پتر نے شادی کر لی ہے؟" وڈیرے نے اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں سائیں!......" رمضان نے اثبات میں سر ہلایا۔

"دولہا، دلھن قدم بوسی کے لیے نہیں آئے؟" وڈیرے کے لہجے میں حیرانی تھی۔

"سائیں!...... الٰہی بخش کا بیٹا، میرے بیٹے اسلم کا دوست ہے۔ اسلم کے یہی بات پوچھنے پر اس نے بتایا کے وہ اپنی بیوی کو کسی غیر مرد کے سامنے بے پردہ نہیں ہونے دے گا۔ چاہے وہ وڈیرا سائیں ہی کیوں نا ہو۔" رمضان کے بجائے اس کے ساتھ بیٹھے دلدار علی نے جواب دیا۔

"کیا؟" وڈیرا اچھل کر سیدھا ہوا۔ "کیا بک رہے ہو۔"

"بس...... سائیں!...... میرا بیٹا یہی بتا رہا تھا۔" دلدار علی ہکلا گیا تھا۔

"رجو!...... الٰہی بخش کو بلاؤ۔"

"جج...... جی...... سائیں!" رمضان جلدی سے اٹھ کر باہر نکل گیا۔

اس کے آنے تک وڈیرا اضطراری انداز میں مونچھوں کو تاؤ دیتا رہا۔ جلد ہی وہ الٰہی بخش کے ہمراہ لوٹ آیا۔ الٰہی بخش نے اندر داخل ہوتے ہی وڈیرے کے پاؤں چھوئے اور سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔

"ہاں بھئی بخشو! ...... سنا ہے بیٹے کی شادی کر دی ہے۔" وڈیرے نے اسے گھورتے ہوئے رعونت سے پوچھا۔

"جج ...... جی سرکار!" الٰہی بخش نے تھوک نگلتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

"کب؟" وڈیرے نے اگلا سوال کیا۔

"دو تین دن ہو گئے ہیں سائیں!" الٰہی بخش دھیمے لہجے میں بولا۔

"دو تین دن ......؟" وڈیرے کے لہجے میں پر جلال حیرانی تھی۔ "مگر اس گاؤں میں تو پرکھوں سے رواج چلا آ رہا ہے کہ شادی کی صبح دلہا، دولہن گوٹھ کے وڈیرے کو سلام کرنے آتے ہیں۔"

"جج ...... جی سائیں! ......" الٰہی بخش ہکلاتے ہوئے سر جھکا لیا۔

"جب معلوم ہے تو پھر اب تک عمل کیوں نہیں ہوا۔" وڈیرے نے غضب ناک ہوتے ہوئے کہا۔

"س ...... سس ...... سائیں، سرکار! ب ...... بچے کو خیال نہیں رہا ہوگا۔" الٰہی بخش تھر تھر کانپنے لگ گیا تھا۔

"تو گھر میں بڑا کوئی نہیں تھا اسے سمجھانے کے لیے؟"

"سس ...... سائیں بتایا تھا۔ اصل میں بہو کی طبیعت تھوڑی ناساز تھی اس لیے ......"

"بکواس بند کرو بخشو!" وڈیرا دھاڑا۔ "تمھارا کیا خیال ہے، مجھے کچھ پتا نہیں ہے کہ گوٹھ میں کیا ہو رہا ہے اور تمھارا بیٹا لوگوں سے کیا کہتا پھر رہا ہے۔"

"مم ...... معافی چاہتا ہوں سرکار۔ بچہ ہے نا سمجھ ہے۔ مم ...... میں سمجھا دوں گا۔" الٰہی بخش کا رنگ خوف سے زرد ہو گیا تھا۔

"سمجھانے کی ضرورت پہلے تھی بخشو! ...... اب وقت گزر گیا ہے۔ میں اس کی منحوس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔ اب اس کی دلہن اکیلے مجھے سلام کرنے کے لیے آئے گی۔"

"جی سرکار! ......" الٰہی بخش نے جلدی سے اثبات میں سر ہلایا۔

وڈیرا ہاتھ سے اسے جانے کا اشارہ کر کے اپنی مونچھوں کو تاؤ دینے لگا۔

☆......☆......☆

''بابا سائیں!......وڈیرا جو کرسکتا ہے کر لے۔زلیخا اسے سلام کرنے نہیں جائے گی۔''عبدالقادر اپنے والد کی بات سنتے ہی انکار میں سر ہلا دیا۔

الٰہی بخش نے ملتجی ہو کر کہا۔''پتر!......میرے بڑھاپے پر رحم کھاؤ۔یہ نہ ہو اس ضد سے تمھیں کوئی ایسا نقصان پہنچ جائے جو میری برداشت سے باہر ہو۔

''بابا سائیں!......آپ سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کر رہے۔''عبدالقادر زچ ہو کر بولا۔''یہ بے غیرتی ہے۔میری بیوی،میری عزت ہے۔میں اسے کس طرح وڈیرے کے پاس بھیج سکتا ہوں۔اور جہاں تک تعلق ہے فائدے نقصان کا تو وہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے ہاتھ میں ہے وڈیرے کے ہاتھ میں نہیں۔''

''اری!......تو ہی اسے کچھ کہہ دے۔شاید تیری بات اس کی عقل میں آ جائے۔''الٰہی بخش اپنی بیوی کو مخاطب ہوا۔

''میں کیا کہوں۔''اس کی بیوی دھیمے لہجے میں بولی۔''میں تو بس اس کی خیریت کی دعا ہی مانگ سکتی ہوں۔''

''خالی دعاؤں سے کام نہیں چلتا۔''الٰہی بخش چلایا۔''دوا بھی کرنا پڑتی ہے۔''

''وقت آنے پر وہ بھی ہو جائے گی۔''عبدالقادر اطمینان بھرے لہجے میں کہتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا۔

''سن لیا۔''بیٹے کے کمرے سے نکلتے ہی اس نے سر پکڑ لیا تھا۔''یہ خود بھی مرے گا اور اس بڑھاپے میں ہمیں بھی خوار کرائے گا۔''

''اللہ خیر کرے گا عبدالقادر کے ابا!......اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔''

الٰہی بخش نے مشورہ دیتے ہوئے کہا۔''تم بھورانی کی منت سماجت کرو شاید وہ مان جائے۔بھتیجی ہے تمھاری اسے کہو کہ تھوڑی دیر کی تو بات ہے۔بس وڈیرے کے پاؤں کو ہاتھ لگا کر ہی تو واپس آ جانا ہے۔وہ اسے کھا

تھوڑی جائے گا۔"

"قادر کے ابا۔ مجھے یہ بات نہ بتاؤ کہ قدم بوسی میں کتنی دیر لگتی ہے۔ میں خود اس وڈیرے کے باپ کی قدم بوسی کے لیے جا چکی ہوں۔ میں کسی صورت بہو کو اس کام کے لیے راضی نہیں کروں گی۔ یوں بھی ہماری بہو لاکھوں میں ایک ہے اور ایسی دلہنوں کو وڈیرا جلدی فارغ نہیں کیا کرتا۔"

"بھاڑ میں جاؤ" الٰہی بخش غصے سے بولا۔ "تم ماں بن کر بھی اپنے بیٹے کی بہتری کے بارے میں نہیں سوچ سکتی ہو۔ حالانکہ تمہیں اچھی طرح پتا ہے کہ وڈیرا سائیں پرکھوں کے رسم و رواج کا کتنا خیال رکھتا ہے۔"

عبدالقادر کی ماں اطمینان سے بولی۔ "کل پرسوں تک شاید ہم شہر چلے جائیں، پھر نہ وڈیرا رہے گا نہ اس کے رسم و رواج"

اور الٰہی بخش ہونٹ بھینچ کر رہ گیا تھا۔

☆......☆......☆

"سائیں!...... آپ نے یاد کیا ہے۔" تھانیدار وڈیرے کو سلام کرتا ہوا بیٹھک میں داخل ہوا۔ وہ گوٹھ کے لوگوں کے لیے بہت بڑی بلا تھا مگر وڈیرے کے سامنے آکر وہ بھی بھیگی بلی بن جاتا تھا۔

"ہاں تھانیدارا!...... ایک چھوٹا سا کام آن پڑا تھا" وڈیرا حاضرین محفل کو ہاتھ کے اشارے سے جانے کا کہتے ہوئے بولا۔

اس کا اشارہ دیکھتے ہی تمام لوگ وہاں سے کھسک لیے صرف اس کی مٹھی چاپی کرنے والے اپنے کام میں مصروف رہے۔

"حکم کرو سائیں!......" تھانیدار نے خوشامدانہ لہجے میں پوچھا۔

"تھانیدارا!...... ہم ذرا پرانی سوچ کے بندے ہیں، پرکھوں کے رسم و رواج ہمیں اپنی جان سے بھی بڑھ کر عزیز ہیں۔ اگر کوئی ان رسوم کو توڑنے کی کوشش کرتا ہے تو ہم سے برداشت نہیں ہو پاتا اور ہم ایسے شخص کو سبق سکھائے بنا نہیں رہ سکتے۔"

"بجا ارشاد فرمایا سائیں!" وڈیرا سانس لینے کے رکا تو اس وقفے کو غنیمت جانتے ہوئے تھانیدار نے

جلدی سے لقمہ دیا۔

”الٰہی بخش دکان دار سے تو تم واقف ہو گے؟“

”جی سرکار!“ تھانیدار نے اثبات میں سر ہلایا۔

”اس کے برخوردار کی شادی ہوئی ہے اور دلہا دلہن گوٹھ کے رواج کے خلاف میری ملاقات کو نہیں آئے۔ بخشو کے بیٹے کو اپنی دلہن سے کچھ زیادہ ہی لگاؤ ہے۔ برخوردار کو ذرا حوالات کی سیر کروا دو اور......“ وڈیرا کمینگی سے مسکرایا۔ ”چھوڑ دینا مگر اس وقت جب سفارش کے لیے دلہن رانی آئے۔ کیا سمجھے؟“

”سمجھ گیا سرکار!...... بالکل سمجھ گیا۔“ تھانیدار کی آنکھوں میں ہوس اور خباثت بھری چمک لہرانے لگی تھی۔

”ٹھیک ہے جاؤ۔“ وڈیرے نے مونچھوں کو تاؤ دینے والا دل پسند مشغلہ شروع کرتے ہوئے تھانیدار کو جانے کی اجازت دیتے ہو کہا۔ ”اور ہاں جاتے وقت منشی سے چائے پانی کا خرچا لیتے جانا۔“

تھانیدار نے جھک کر اسے سلام کیا اور الٹے قدموں بیٹھک سے نکل گیا۔

☆......☆......☆

'بابا سائیں!...... یہ لو۔“ عبدالقادر نے کالے رنگ کا لفافہ والد کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”دکان اور گھر کی بقایا رقم ادا مرتضٰی نے دے دی ہے اور الحمدللہ ادا انشاللہ نے ہمارے لیے بھی گھر ڈھونڈ لیا ہے کل ان شاء اللہ نکل چلیں گے۔“

”اللہ کرے پتر!...... خیریت سے نکل چلیں۔“ الٰہی بخش نے دعائیہ لہجے کہا۔

”آمین۔“ کہہ کر عبدالقادر یہ خوش خبری زلیخا کو سنانے کے لیے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ اسی وقت بیرونی دروازے پر دستک ہوئی۔ الٰہی بخش نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور تھانیدار مع دو سپاہیوں کے دندناتا ہوا اندر گھس آیا۔

”کک...... کیا ہو گیا تھانیدار صاحب۔“ الٰہی بخش گھگیایا۔

”کدھر ہے تمہارا پتر؟“ تھانیدار نے کڑک کر پوچھا۔

عبدالقادر کے کانوں میں بھی تھانیدار کی آواز پہنچ گئی تھی۔ وہ زلیخا کو کمرے ہی میں بیٹھنے کا اشارہ کر کے باہر

نکلا۔ ''کیا بات ہے تھانیدار صاحب'' اس نے حیرانی بھرے لہجے میں پوچھا۔

''تو تم ہو عبدالقادر۔'' تھانیدار نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔ ''ذرا اس کی تلاشی لو۔'' اس نے خرانٹ صورت سپاہیوں کو اشارہ کیا۔

تھانیدار کی بات پوری ہوتے ہی دونوں سپاہی تیر کی طرح اس پر جھپٹے۔ ایک سپاہی نے بیدردی سے اس کے ہاتھ مروڑ کر پشت کی جانب ہتھکڑی لگا دی جبکہ دوسرا اس کی تلاشی لینے لگا۔

''تھانیدار صاحب یہ...... یہ کیا ہے؟'' وہ ہکلایا۔

''ابھی پتا چل جاتا ہے پتر!'' تھانیدار طنزیہ لہجے میں جواب دیا۔ اسی وقت ایک سپاہی نے چھوٹا سا پیکٹ تھانیدار کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

''یہ ملا ہے سر!''

''ہونہہ!...... اس کا مطلب ہے مخبر کی اطلاع درست تھی۔ یہ پاؤڈر بیچتا ہے۔'' تھانیدار نے اسے کڑی نظروں سے گھورا۔ ''لے چلو اسے تھانے۔''

''خ...... خدا کا خوف کرو تھانیدار صاحب!...... اس پیکٹ کو تو میں نے پہلے کبھی دیکھا بھی نہیں ہے۔'' عبدالقادر ہکلایا۔

''اب تو دیکھ لیا نا؟'' اس کے عقب میں کھڑے سپاہی نے اسے دروازے کی جانب دھکا دیا۔ اور وہ لڑکھڑاتا ہوا دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

''تھ...... تھانیدار پتر!...... رحم کرو، مہربانی کرو۔'' بوڑھے الٰہی بخش نے تھانیدار کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے

''رحم بھی ہو جائے گا بزرگو!...... بعد میں تھانے آ جانا۔ فی الحال تو ملزم کو تھانے لے جانا پڑے گا۔ کچھ قانونی تقاضے بھی تو ہمیں پورا کرنے پڑتے ہیں نا۔'' یہ کہہ کر تھانیدار نے سپاہیوں کو اشارہ کیا اور وہ عبدالقادر کو دھکے دیتے ہوئے باہر لے گئے۔ الٰہی بخش اکیلا کھڑا روتا رہ گیا۔ اس کی بیوی گھر سے کہیں باہر گئی ہوئی تھی۔ پولیس والوں کے گھر سے نکلتے ہی زلیخا کمرے سے باہر نکل آئی۔

''پھوپھا جان!...... گھبرانا نہیں اللہ پاک بہتر کرے گا۔'' وہ الٰہی بخش کو تسلی دینے لگی، مگر خود اس کے دل میں

ہزاروں اندیشے کلبلا رہے تھے۔

الٰہی بخش رو دینے والے لہجے میں بولا۔ "بیٹی!...... اسی لیے کہہ رہا تھا کہ وڈیرے سے متھا نہ لگاؤ، وہ گوٹھ کا بادشاہ ہے۔ مگر نہ تمھاری سمجھ میں کچھ آ رہا تھا اور نہ عبدالقادر کچھ ماننے کا تیار تھا۔ اب اگر اسے کچھ ہو گیا تو بتاؤ کیا کر لو گے ہم۔"

اسی وقت عبدالقادر کی ماں نے گھر میں داخل ہو کر واویلا کیا۔ "ہائے او میرے ربا!...... یہ کیا ہو گیا۔ ایسا کون سا جرم کر لیا میرے لال نے جو اسے پولیس پکڑ کر لے گئی۔" اسے یقیناً کسی نے عبدالقادر کی گرفتاری کی اطلاع دی تھی اور وہ دوڑتی چلی آئی تھی۔

"ہونہہ!...... جرم۔" الٰہی بخش استہزائی انداز میں ہنسا، لیکن اس کی ہنسی میں بے چارگی کا عنصر نمایاں تھا۔ "یہ جرم کیا کم ہے کہ وہ اپنی نئی نویلی دلہن کے ساتھ وڈیرے کی قدم بوسی کو نہیں گیا۔"

"تو جاؤ نہ وڈیرے کے پاس، اسے بتاؤ کہ...... اسے بتاؤ کہ......" مگر اس سے آگے اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ کیا کہے۔

"کیا بتاؤں؟" وہ بے بسی سے بولا۔ "اس وقت تم دونوں نے میری ایک نہیں سنی تھی اب بھگتو۔"

"پھوپھا جان!...... آپ تھانیدار کے پاس جا کر مک مکا کرنے کی کوشش کریں جتنے پیسے وہ مانگتا ہے اس کے منہ پر ماریں۔ عبدالقادر کے لیے میں اپنا تمام زیور بیچ دوں گی۔" زلیخا نے جذباتی لہجے میں کہا۔

"چلا جاتا ہوں تھانے بھی۔" بے بس انداز میں سر ہلاتے ہوئے وہ کھڑا ہو گیا۔ "مگر مجھے نہیں لگتا کہ وہ موذی تھانیدار مک مکا کرے گا۔ لازماً اسے وڈیرے کی طرف سے حکم ملا ہو گا۔ اور وڈیرے سے پوچھ کر ہی وہ کوئی قدم اٹھائے گا۔"

زلیخا پر امید لہجے میں بولی۔ "وڈیرے نے بھی تو ہمارا مالی نقصان کرانا ہو گا، قدم بوسی وغیرہ کا وقت تو یوں بھی گزر چکا ہے۔"

"اللہ پاک ہی جانے۔" پریشانی چہرے اور پراگندہ سوچوں کے ساتھ وہ گھر سے نکل آیا۔

☆......☆......☆

"برخوردار!......اپنے تمام ساتھیوں کے نام آرام سے بتا دے اسی میں تمھاری بہتری ہے۔" تھانیدار نے ہاتھ میں پکڑی چھڑی اس کی ٹھوڑی کے نیچے رکھ کر اس کا جھکا ہوا سر اوپر کیا۔

جواباً وہ خاموش رہا تھا۔اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ تمام وڈیرے کی کارستانی تھی۔اسی کے حکم پر پولیس اسے پکڑ کر وہاں لائی تھی۔یوں بھی آدمی اس کے سامنے اپنی بے گناہی کے بارے کچھ بولتا ہے جو حقیقت میں لا علم ہو۔یہاں تو تھانیدار اس کی بے گناہی سے اچھی طرح واقف تھا۔پھر اس کے سامنے اپنی بے گناہی کا واویلا کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔اسے وڈیرے کی جانب سے جو ہدف ملا تھا وہ اس نے ہر حال میں پورا کرنا تھا۔

"تمھاری سمجھ میں میری بات نہیں آرہی کیا؟" اس مرتبہ تھانیدار نے چھڑی اس کے پیٹ میں چبھوئی۔

"تھانیدار صاحب!......میں نہ تو نشہ کرتا ہوں اور نہ کبھی اس گھناؤنے کاروبار سے میرا تعلق رہا ہے۔اور یہ بات آپ بھی اچھی طرح جانتے ہیں۔"

"ہا......ہا......ہا" تھانیدار نے بلند بانگ قہقہہ لگایا۔ساتھ کھڑے سپاہیوں نے اس کا ساتھ دیا تھا۔"ویسے تمھاری بات تو دل کو لگتی ہے بے۔"

جواباً عبدالقادر نے کچھ نہیں کہا تھا۔اسی وقت ایک سپاہی نے اندر داخل ہو کر سیلوٹ کیا۔

"سر جی ملزم کا باپ آیا ہے۔آپ سے ملاقات کا خواہاں ہے۔"

"ہونہہ!......" ہنکارا ابھرتے ہوئے تھانیدار نے اثبات میں سر ہلایا۔"ٹھیک ہے بھجوا اسے۔" الٰہی بخش کی آمد کی اطلاع دینے والے سپاہی کو کہہ کر وہ وہاں موجود دوسرے سپاہیوں کو بولا۔"تم لوگ ذرا اس سے تفتیش کرو کہ اس نے گوٹھ کی دیرینہ رسوم کے خلاف کرنے کا سبق کہاں سے سیکھا۔یہی بات میں اس کے باپ سے دریافت کر لوں۔"

سپاہی عبدالقادر کو دھکیلتے ہوئے اس کے دفتر سے باہر لے گئے۔

الٰہی بخش لرزتا کانپتا دونوں ہاتھ جوڑے دفتر میں داخل ہوا۔اور

"اسلام علیکم تھانیدار صاحب!" کہہ کر مؤدب انداز میں کھڑا ہو گیا۔

تھانیدار نے اس کے سلام کا جواب دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔چند لمحے وہ اپنے میز پر پڑی فائل

کھول کر دیکھتا رہا۔اور پھر فائل بند کر کے ایک جانب رکھتے ہوئے وہ الٰہی بخش کی جانب متوجہ ہوا۔

"ہاں بزرگو!......کیا مسئلہ ہے۔"

"سرکار!......میرا ایک ہی بیٹا ہے۔نہ سمجھ ہے جوان خون ہے نادانستگی میں وڈیرے سائیں کی شان میں گستاخی کر بیٹھا......سائیں معاف کر دو۔آپ بڑے لوگ ہو۔"

"ہم اسے سمجھانے ہی کے لیے تھانے لائے ہیں۔پولیس کا کام ہی نہ سمجھ لوگوں کو سمجھانا ہوتا ہے۔دو تین ماہ میں اس کی سمجھ میں یہ بات ایسے آجائے گی کہ اپنی آل اولاد کو بھی ساری زندگی سمجھاتا رہے گا۔اور یقیناً اگر تمھیں کسی نے یہ سمجھایا ہوتا تو تم اپنے بیٹے کو کبھی بھی ایسا نہ کرنے دیتے۔"

الٰہی بخش گڑگڑایا۔"سائیں!......رحم کرو۔اللہ سوہنا آپ پر کرم کرے گا۔اور آئندہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔میں اسے اچھی طرح سمجھا دوں گا۔"

تھانیدار استہزائی لہجے میں بولا۔"بابا!......یہ مہربانی وغیرہ اپنے پاس رکھو۔میرے ساتھ تو نقد سودا کرو۔"

"آپ حکم کریں سرکار!......"الٰہی بخش ہاتھ جوڑتا ہوا بولا۔

"بس یہ خیال رکھنا کہ میں بہت غریب بندہ ہوں۔"

تھانیدار نے کرسی سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔"رقم وغیرہ چھوڑو بابا!......"

"تو پھر؟"الٰہی بخش کی آنکھوں میں حیرانی ابھری۔

تھانیدار مکروہ لہجے میں بولا۔"شام کو اس کی بیوی کو بھیج دینا،میں ذرا اس سے بھی معلوم کر لوں کہ وہ وڈیرے کی قدم بوسی کے لیے کیوں نہیں جا رہی تھی۔صبح دونوں میاں بیوی کو چھوڑ دوں گا۔بس اتنی سی بات ہے۔اب خوش۔"

بچپن ہی سے غلام معاشرے میں پلنے والے الٰہی بخش کے لیے یہ شرط صرف اس لیے کڑی تھی کہ اس کے بیٹے اور بہو نے اسے قبول نہیں کرنا تھا۔

وہ ہکلایا۔"س س......سائیں مجھے چند دن کی مہلت دے دیں۔" کیونکہ بیٹے اور بہو سے مشورہ کیے بغیر وہ اتنا بڑا قدم نہیں اٹھا سکتا تھا۔

اسے نیم رضامند دیکھ کر تھانیدار نے مطمئن انداز میں سر ہلایا۔"پرسوں شام تک عبدالقادر کو کچھ نہیں کہا جائے گا۔اس کے بعد تفتیش شروع ہو جائے گی۔شاید وہ کسی کو قتل وغیرہ کرنے کا اعتراف کر کے پھانسی چڑھ جائے۔یا یہ بھی ممکن ہے کہ حوالات سے فرار کی کوشش میں کسی پولیس والے کی گولی کا شکار ہو جائے......میرا مطلب تم سمجھ رہے ہو نا؟"تھانیدار نے اسے ڈرانے کی کامیاب کوشش کی۔

وہ خوف سے کانپتے ہوئے بولا۔"نن......نہیں تھانیدار صاحب!......مم......میں پرسوں تک اپنی بہو کو لے آؤں گا۔"

تھانیدار نے تکبر سے گردن اکڑاتے ہوئے کہا۔"اسی میں تمھاری بہتری ہے۔"

یوں بھی غریب اور بے بس لوگوں کے لیے پولیس تھانیدار فرعون ہی تو بن جاتے ہیں۔نہ قانون کی پاس داری نہ شرم وحیا اور نہ اللہ پاک کا خوف۔

"سائیں!......اگر اجازت ہو تو میں بیٹے سے مل لوں۔"

"ہاں چلو،میں بھی تمھارے ساتھ چلتا ہوں۔"اپنی کرسی چھوڑتے ہوئے وہ الٰہی بخش کے ہمراہ ہو گیا۔اسے اپنی فتح کا یقین آ گیا تھا۔نئی نویلی دلھن کے ساتھ رات گزارنے کے خیال ہی نے اس کی چال میں مستی بھر دی تھی۔اور پھر اس کام کے لیے اسے وڈیرے سے بھی تو ٹھیک ٹھاک انعام ملنے کی توقع تھی۔یعنی اس کی تو پانچوں گھی اور سر کڑاہی میں تھا۔

حوالات کے ایک مخصوص کمرے میں پولیس کے تینوں سپاہی عبدالقادر کی خبر لے رہے تھے۔تیرہ نمبر چھتر کے مسلسل استعمال نے عبدالقادر کی چیخیں نکال دی تھیں۔مگر ان وحشیوں کو اس کی کوئی پروا نہیں تھی۔ان کے لیے تو یہ ایک دل پسند مشغلہ تھا۔مظلوموں اور بے گناہوں کی پٹائی کرتے کرتے ان کے دل زنگ آلود ہو گئے تھے اور ان کے ضمیر گہری نیند سوتے سوتے مردہ ہو چکے تھے۔اب ایسے کام سے وہ لطف اندوز ہوا کرتے،قہقہے لگاتے اور خوشی سے جھوم جھوم جاتے۔

تھانیدار کی آمد پر بھی ان کے ہاتھ نہیں رکے تھے۔

"ایک منٹ۔"تھانیدار نے ہاتھ اٹھا کر انھیں روکا۔اور وہ تینوں بددلی سے پیچھے ہو گئے۔

عبدالقادر کی حالت خاصی دگرگوں تھی۔ سپاہیوں کے ہاتھ رکتے ہی اس کی چیخیں تھم گئی تھیں۔لیکن با آواز بلند کراہنا شروع ہو گیا تھا۔

''تم لوگ جاؤ۔'' تھانیدار نے سپاہیوں کو وہاں سے جانے کا اشارہ کیا۔''پرسوں شام تک اسے کچھ نہ کہنا ۔اس کے بعد البتہ تمھیں کھلی چھوٹ ہو گی، اگر انھوں نے چاہا تو۔''

تینوں سپاہی تھانیدار کو سیلوٹ کرتے ہوئے باہر نکل گئے۔ان کے باہر نکلتے ہی تھانیدار الٰہی بخش کی طرف متوجہ ہوا۔

''بزرگو!......تم اپنے بیٹے سے گپ شپ کرو، مشورہ وغیرہ بھی کر لو اور پرسوں شام کا وقت نہ بھولنا۔'' یہ کہہ کر وہ خود بھی باہر نکل گیا۔باہر جاتے ہوئے اس نے حوالات کا سلاخوں والا دروازہ تالا کر دیا تھا۔الٰہی بخش حوالات کی سلاخوں کو تھام کر دکھی نظروں سے اپنے جوان بیٹے کو تکنے لگا۔اپنے باپ کو دیکھ کر عبدالقادر نے بہ مشکل اپنی کراہیں روکی تھیں۔

''اللہ پاک بہتر کرے گا بابا سائیں!'' اس نے باپ کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔''آپ صبح ماموں جان کے پاس شہر چلے جائیں اور اسے تمام کہانی سنا دیں وہ کوئی بہتر حل تلاش کر لیں گے۔''

الٰہی بخش کوشش کے باوجود بیٹے کو تھانیدار کی شرط کے متعلق نہیں بتا سکا تھا۔تھوڑی دیر بیٹے کے ساتھ گزار کر وہ گھر واپس آ گیا۔بیوی کو البتہ اس نے ساری بات من وعن بتلا دی تھی۔

''اللہ سائیں اسے برباد کرے، اللہ سائیں اسے تباہ کرے، وہ کبھی خوشی اور آرام کا منہ نہ دیکھے......'' اس کی بیوی تھانیدار کو کوسنے لگی۔

''اس طرح بد دعائیں دینے سے تو کام نہیں چلے گا نیک بخت!......کوئی عملی تجویز سوچو۔ورنہ وہ قصائی مار مار کر ہمارے بیٹے کو معذور کر دیں گے، یا شاید جان ہی سے مار دیں، بہت ظالم اور سخت دل ہیں وہ۔''

''قادر کے ابا!......تم شہر چلے جاؤ۔بھائی جان پڑھے لکھے ہیں۔وہ ضرور اس کا کوئی حل نکال لیں گے ۔'' اس کی بیوی نے بھی وہی مشورہ دیا جو عبدالقادر نے دیا تھا۔اور الٰہی بخش نے اگلی صبح شہر جانے کا ارادہ کر لیا۔

☆......☆......☆

”کیا......؟“ الٰہی بخش کی ساری بات سنتے ہی اس کا سالا عمر حسین غصے سے اکھڑ گیا تھا۔ ”تھانیدار کی یہ جرات۔ سرکار کا ملازم ہوتے ہوئے اتنا غیر قانونی کام۔“

”بھائی جان!...... گوٹھ کی سرکار وڈیرا اللہ داد ہے اور اس کی یہی منشا ہے۔ ہم ان کے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ وہ ظالم تھانیدار تو پولیس مقابلے کی آڑ میں عبدالقادر کو جانی نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔ ہمارے پاس اسے جھٹلانے کا کیا ثبوت ہوگا۔“

”تم فکر نہ کرو بخش بھائی!...... میں آج ہی وکیل کا بندوبست کرتا ہوں۔ جلد ہی عبدالقادر حوالات سے باہر ہوگا۔“

”نہیں بھائی جان!......“ الٰہی بخش نے نفی میں سر ہلایا۔ ”یہ ممکن نہیں ہے۔ اگر ہم نے وکیل کیا تو جانے اور کون کون سے جرائم تھانیدار میرے بیٹے کے سر منڈھ دے۔ وڈیرے کی وجہ سے سارے گاؤں نے تھانیدار کی حمایت اور حق ہی میں بولنا ہے۔ یہ نہ ہو میری قانونی کارروائی کو وہ ہٹ دھرمی جان کر میرے بیٹے کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا دیں۔“

عمر حسین تلخی سے بولا۔ ”تو کیا اپنی دھی اس کے پاس بھیج دوں؟“

”نہیں۔“ الٰہی بخش نے نفی میں سر ہلایا۔ ”لیکن کوئی ایسی تجویز تو سوچ سکتے ہو نا کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔“

عمر حسین گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ چند لمحوں بعد اس کی آواز ابھری۔ ”کیا تھانیدار نے زلیخا بیٹی کو دیکھا ہوا ہے۔“

”نہیں۔“ الٰہی بخش نے نفی میں سر ہلایا۔

”ہونہہ!......“ گہرا سانس لیتے ہوئے عمر حسین مسکرایا۔ ”اب دیکھنا میں تھانیدار کو کیسا سبق سکھاتا ہوں۔“

”مگر کیسے؟“ الٰہی بخش اسے ہنستا دیکھ کر خوش ہو گیا تھا۔

”یہ مجھ پر چھوڑ دو۔ تم بس آرام کرو۔“ کہتے ہوئے عمر حسین کھڑا ہو گیا۔

☆......☆......☆

"ایک تھی تو سہی۔" خرانٹ بڑھیا نے سوچنے کی اداکاری کی۔ "بڑی خوب صورت بچی تھی۔ مگر آپ کو اس سے کیا لینا؟"

"آپ کی بڑی مہربانی ہوگی اگر آپ اس کا پتا مجھے بتا دیں۔" عمر حسین ملتجی ہوا۔

"بتا تو دوں...... مگر فائدہ، مطلب مجھے کیا فائدہ؟...... یوں بھی اس نے مجھ سے درخواست کی تھی کہ اس کا راز طشت ازبام نہ کروں۔"

"اس کے بھلے کی بات ہے بائی جی!...... اور آپ کے لیے اتنا فائدہ کافی رہے گا۔" عمر حسین نے ہزار ہزار کے پانچ نوٹ اس کی جانب بڑھائے۔

نوٹ جھپٹتے ہوئے بوڑھی دلالہ نے ایک فلیٹ کا پتا دہرا دیا۔

عمر حسین شکریہ کہتے ہوئے وہاں سے باہر نکل آیا۔

☆......☆......☆

"بیس ہزار میرے لیے کافی ہیں بھائی صاحب!" سوگوار چہرے والی لڑکی عمر حسین کو کافی بھلی لگی تھی۔ اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ ایسے موذی مرض میں مبتلا ہوگی۔ "میں تو اس سے بھی کم معاوضے پر راضی ہو جاتی۔ دوائیوں کی خریداری کی مد میں مجھے کافی خرچا کرنا پڑتا ہے اور میری آمدن نہ ہونے کے برابر ہے۔ پرائیویٹ نوکریوں کی تنخواہیں تو آپ کو معلوم ہوں گی ہی۔ باقی آپ کی کہانی جان کر تو میں مفت بھی راضی ہو جاتی کہ میری نظر میں یہ نیکی کا کام ہے۔"

اور عمر حسین اس کے یوں آسانی سے مان جانے پر گہرا سانس بھر کر رہ گیا تھا۔ گو اس کام کے بارے اس لڑکی کو بتاتے ہوئے اسے کافی شرمندگی محسوس ہوئی تھی۔ مگر اپنی بیٹی کی عزت کی خاطر وہ یہ بھی کر گزرا تھا۔

☆......☆......☆

دروازے پر ہونے والی دستک سن کر تھانیدار چونک پڑا تھا۔ ناگواری کے انداز میں اٹھتے ہوئے اس نے دروازہ کھولا اور الٰہی بخش کو سرخ کپڑوں میں لپٹی لڑکی کے ساتھ دیکھ کر اس کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔

اس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "بہت اچھا کیا بزرگو!...... ورنہ آج رات ہی عبدالقادر کی تفتیش شروع ہو جانا

تھی۔ اب وہ صبح واپس آجائے گا۔ اور اپنی بہو کی بھی فکر نہ کرنا۔ میں اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ بس اسے تھوڑا جاگنا پڑے گا۔" یہ کہتے ہی اس نے الہٰی بخش کو بولنے کا موقع دیے بغیر اس کے پہلو میں کھڑی سرخ کپڑوں کی گٹھڑی کو اندر گھسیٹا اور کوارٹر کا دروازہ کنڈی کر دیا۔

وہ کنوارا تھا کیونکہ شادی کر کے وہ خود کو کسی ایک کا پابند نہیں کر سکتا تھا۔ یوں بھی جسے حرام کاری کی لت پڑ جائے اس کے لیے حلال میں لذت باقی نہیں رہتی۔

دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے عبدالقادر کی دلھن کا گھونگھٹ الٹا۔ اپنے دل کی دھڑکنیں اسے بے ربط ہوتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ حسنِ سوگوار پر دلہناپے کا روپ خوب چڑھا تھا۔ اور پھر الٰہی بخش کو جانے کیا سوجھی تھی کہ اس نے بہو کو خوب سجا سنوار کر اس کے پاس بھیجا تھا حالانکہ اس نے ایسی کوئی شرط نہیں رکھی تھی۔ خیر کچھ بھی تھا اس نے تھانیدار کو خوش کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اتنا تعاون کرنے والا جانے وڈیرے کی حکم عدولی پر کیسے راضی ہوا تھا۔ خیر اس نے زیادہ دیر اس مسئلے میں سر کھپانا مناسب نہ سمجھا کہ اس کی دلچسپی اور توجہ کے لیے ایک بہت خوب صورت اور سہما سہما کھلونا اس کے سامنے موجود تھا۔ اسے تو یہ بھی بھول گیا کہ وہ ابھی تک رات کا کھانا نہیں کھا سکا تھا۔

☆......☆......☆

"ہاں بھئی رجو!......" وڈیرا حاضرینِ محفل پر طائرانہ نگاہ دوڑاتا ہوا اپنی ٹانگیں دبانے والے رمضان کو مخاطب ہوا۔ "سنا ہے بخشو اپنے ٹبر (خاندان) کے ساتھ شہر چلا گیا ہے۔"

"ہاں سائیں!......" رمضان نے اثبات میں سر ہلایا۔ "آپ نے ٹھیک ہی سنا ہے۔"

وڈیرے نے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔ "پر اس کا بیٹا تو حوالات میں تھا؟"

رمضان نے جواب دیا۔ "سائیں!......اسے، اپنی بیوی رہا کرا کر لے آئی تھی۔"

"میری سمجھ میں نہیں آیا، تم کیا کہہ رہے ہو؟" وڈیرا جان بوجھ کر انجان بن گیا تھا۔

"سائیں!......سنا تو یہی ہے کہ بخشو، سرِ شام اپنی بہو کو تھانیدار کے کوارٹر پر چھوڑ آیا اور اگلی صبح اس کی بہو اپنے خاوند کے ساتھ گھر واپس لوٹ آئی۔"

”ہا.......ہا....ہا“ وڈیرے نے معنی خیز انداز میں قہقہہ لگایا۔

”خوب بہت خوب۔ یہ بخشو تو بہت عقل مند نکلا۔ ویسے پرکھوں کے رسم و رواج توڑنے والوں کو ایسی ہی عقل مندیاں دِکھانا پڑتی ہیں۔“

”بالکل سائیں!.......حاضرین محفل یک زبان ہو کر بولے تھے۔ یوں بھی وڈیرے کے حکم سے اس دن بیٹھک کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ وڈیرے نے اپنی نافرمانی کرنے والے خاندان کا انجام جو تمام گوٹھ تک پہنچانا تھا۔ تمام لوگ دل ہی دل میں الٰہی بخش کے خاندان کی بدقسمتی پر افسوس کر رہے تھے، کہ وہ انھی میں سے ایک تھا۔ اس کا درد انھیں اپنا درد ہی تو لگتا تھا۔ کل کلاں کو انھیں بھی یہ صورت حال پیش آ سکتی تھی۔ بوڑھے والدین کی مجبوریوں کو آج کل کی جوان اولاد کیا جانے۔

”وڈیرا سائیں!.......میں اندر آ سکتی ہوں۔“ بیٹھک کے دروازے سے دلکش نسوانی آواز سن کر تمام دروازے کی جانب متوجہ ہو گئے تھے۔ وڈیرے نے بھی مونچھوں کا تاؤ دینے والے ہاتھ کو روکتے ہوئے غور سے دروازے کی سمت دیکھا۔ کالی چادر لپیٹے ایک جوان لڑکی کھڑی تھی۔

”آ جاؤ۔“ وڈیرے نے کمال مہربانی سے اسے اندر آنے کی اجازت دی۔

”مہربانی سائیں!......“ کہتے ہوئے وہ اندر داخل ہوئی اور وڈیرے کی بڑی مسہری کے قریب آ کر اس نے بے باکی سے چہرے پر لپٹی چادر اتار دی۔

”بتاؤ کیا پریشانی ہے چھوری!......“ وڈیرے نے اس کے سوگوار حسن کو سراہتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ ”کیا ان کو باہر بھیج دوں۔“ اس کا اشارہ حاضرین محفل کی طرف تھا۔

”نہیں سائیں!.......انھی کی بھلائی کی بات کرنے آئی ہوں۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو کچھ عرض کروں۔“

”اجازت ہے۔“ وڈیرے کا دایاں ہاتھ پھر اپنی اٹھی ہوئی مونچھوں کو مروڑنے میں مصروف ہو گیا۔

”سائیں!.......میں ایڈز کی مریضہ ہوں۔“ گلا کھنکار کر صاف کرتے ہوئے اس نے تمہید باندھی۔ ”اور پرسوں میں نے الٰہی بخش کی بہو کا کردار ادا کرتے ہوئے تھانیدار کے ساتھ رات گزاری۔ اس کے بعد میرا ارادہ آپ کی قدم بوسی کے لیے آنے کا تھا مگر الٰہی بخش نے مجھے منع کر دیا کہ اس کے دل میں اب بھی آپ کا احترام

موجود ہے۔آپ تمام لوگوں سے بس اتنی گزارش ہے کہ علاقے کے لوگوں تک میری یہ بات پہنچا دینا کہ الٰہی بخش کی بہو آج بھی پاک دامن ہے۔تھانیدار کو بھی خبر کر دینا کہ جس پاک دامن لڑکی کو اس نے داغ دار کرنے کا ناپاک منصوبہ بنایا تھا وہ ناکام ہو گیا۔وہ لڑکی آج بھی اتنی ہی پاکیزہ ہے جتنی پہلے تھی۔اور جہاں تک میرا تعلق ہے تو میرا تو خمیر ہی کیچڑ سے اٹھا ہے۔اسی ملعون کام کی وجہ سے میں ایڈز جیسی مہلک بیماری میں مبتلا ہوئی اور اسی بیماری کی وجہ سے میں نے اس کام سے توبہ بھی کر لی۔مگر ایک مظلوم کو بچانے اور ظالم کو اس کے ظلم کی سزا دینے کی خاطر مجھے مجبوراً یہ کام کرنا پڑا۔مجھے بس اتنا ہی کہنا تھا۔"

یہ کہتے ہی اس نے اپنا چہرہ چادر میں چھپایا اور جس طرح اچانک آئی تھی اسی طرح تمام کو ہکا بکا چھوڑ کر باہر نکل گئی۔

وڈیرے کی اکڑی ہوئی مونچھیں چوہے کی دم کی طرح لٹک گئی تھیں۔وہ بہ مشکل اپنی مسہری سے اٹھ کر لڑکھڑاتے ہوئے بیٹھک سے باہر نکل گیا۔اس کی سوچ میں صرف ایک سوچ گونج رہی تھی کہ اگر الٰہی بخش نے اس لڑکی کو منع نہ کیا ہوتا اور وہ سچ مچ اس کے پاس پہنچ جاتی پھر............؟